AL-ILM Journal

Volume 5, Issue 1

ISSN (Print): 2618-1134
ISSN (Electronic): 2618-1142

Issue: https://www.gcwus.edu.pk/al-ilm/
URL: https://www.gcwus.edu.pk/al-ilm/

Title Islami Mulk Main Aqliyato ki Qadeem our Nayi Ibadatgahein: Aik Sharee Tajziya

Author (s): Muhammad Abu Bakr Sadique
Dr. Saeed Ahmad

Received on: 02 November, 2020
Accepted on: 15 Ferbruary, 2021

Published on: 18 March, 2021
Citation: English Names of Authors, " Islami Mulk Main Aqliyato ki Qadeem our Nayi Ibadatgahein: Aik Sharee Tajziya", AL-ILM 5 no 1 (2021):131-157

Publisher: Institute of Arabic & Islamic Studies, Govt. College Women University, Sialkot

اسلامی ملک میں غیر مسلم اقلیتوں کی قدیم اور نئی عبادت گاہیں: ایک شرعی تجزیہ

محمد ابو بکر صدیق*

ڈاکٹر سعید احمد**

Abstract

Islam does not allow to force others to accept Islam. Rather, Islam considers minorities as the sacred trust of Allah (SWT) the Almighty. The concept of minority in the West and Europe is linked to color, race, geographical affiliation, and religion. On the contrary, only the religion is the base of being ones minority in Islamic jurisprudence. That is why Islam has become so sensitive about the rights of minorities. The main purpose of this article is to present an Islamic perspective on the preservation of ancient minority places of worship and the establishment of new places of worship for minorities in an Islamic country like Pakistan. The paper found that Islam allows minorities to continue worships in their worship places in an Islamic state. They are also allowed to reconstruct old and build new worship places only in their populated area in this modern democratic age in Pakistan.

Keywords: Minority, Temple, Churches, Islamic State, Zimmī

تعارف

اسلام خالق کائنات کی توحید کا داعی ہے جس کی تبلیغ ہر مسلمان کی زندگی کا اولین مقصد ہے۔ پیغامِ حق کے ابلاغ میں اسلام کا پہلا سبق ہی یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگوں پر اپنے عقائد بدلنے اور اسلام قبول کرنے کے لیے کسی جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا جائے گا۔ اس بارے میں یہ ارشاد باری تعالی ایک بنیادی قانون کی حیثیت رکھتا ہے: لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ[1] "دین میں کوئی زبردستی نہیں بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے" وہ غیر مسلم جو عالم اسلام کے ساتھ برسرپیکار نہ ہوں اور نہ ہی مسلمانوں کے خلاف کسی دشمن کے ساتھ سازشوں کا حصہ ہوں، تو ان کے بارے میں رواداری اور حسن سلوک کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس لئے مسلمان اقلیتوں کو اپنے کریم رب کی مقدس امانت گردانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقلیتوں کے حقوق سے متعلق اسلام بہت حساس واقع ہوا ہے۔

* لیکچرر، انٹر نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اکنامکس، انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

** اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

"اقلیتوں کے حقوق" ایک مختلف الجہات موضوع ہے۔ تاہم اس مقالے کا بنیادی مقصد اقلیتوں کی قدیمی عبادت گاہوں کے تحفظ اور نئی عبادت گاہوں کے قیام سے متعلق اسلامی نقطہ نظر پیش کرنا ہے۔ اقلیت کے لفظی اور اصطلاحی معانی اور اسلامی ملک میں اقلیتوں کو حاصل مذہبی آزادی سے متعلق مختصر تعارف پیش کرنے کے بعد اس مقالے میں مندرجہ ذیل اہم سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

اسلامی ملک میں اقلیتوں کی قدیمی عبادت گاہوں کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے؟ کیا فی زمانہ اسلامی ملک کے لئے دارالاسلام کی اصطلاح استعمال نہیں کی جاسکتی؟ کیا کوئی اقلیت اسلامی ملک میں نئی عبادت گاہ تعمیر کر سکتی ہے؟ اگر کر سکتی ہے تو اس کی حدود و قیود کیا ہیں؟ کیا شرع میں اس حوالے سے جزیرہ عرب اور غیر عرب کے اسلامی ممالک میں کوئی تفریق کی گئی ہے یا ایک ہی جیسے احکام دئے گئے ہیں؟ عصر حاضر کے مغربی جمہوریت کے زمانے میں کیا کوئی اقلیت اسلامی جمہوریہ پاکستان میں نئی عبادت گاہ تعمیر کر سکتی ہے؟

سابقہ تحقیقی مواد کا جائزہ:

اسلامی ممالک میں قیام پذیر غیر مسلم اقلیتوں کے موضوع پر موجود لٹریچر میں محققین کی بنیادی توجہ ان کے مختلف حقوق کے مختلف پہلوؤں پر رہی ہے۔ ڈاکٹر محمد منشاء طیب اور یاسر فاروق (۲۰۲۰) نے اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور ان کی مذہبی آزادی کو فقہ السیرہ کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے[2]۔ جس میں زیادہ تر توجہ مذہبی آزادی پر مرکوز رہی ہے۔ سیرۃ النبی ﷺ سے براہ راست احکام وضع کرنے کی طرف رغبت دی گئی ہے۔ اگرچہ چند فقہاء کی عبارات بھی پیش کی گئی ہیں۔ لیکن فقہائے عظام کے اس اجتہادی کام سے صرف نظر کیا گیا ہے جن میں سیرۃ النبی ﷺ سے ہی استفادہ کرتے ہوئے احکام وضع کئے گئے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر محمود احمد غازی (۲۰۱۴)[3]، ڈاکٹر محمد مشتاق احمد (۲۰۱۲)[4]، اور عمار خان ناصر (۲۰۱۳)[5] کی تحریروں میں اس موضوع پر ضمناً بات کی گئی ہے لیکن اس موضوع پر اٹھائے گئے مندرجہ بالا سوالات پر کوئی خواطر خواہ جواب موجود نہیں ہے۔ اسی طرح مختلف دارالافتاؤں سے چند مختصر فتاوی بھی موجود ہیں لیکن ان فتاوی میں فی زمانہ اسلامی ممالک کے جمہوری پس منظر اور ان میں قیام پذیر اقلیتوں کو حاصل حقوق و آزادی کے تناظر کو یکسر نظر انداز کر کے شرعی حکم نقل کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ مقالہ اسلامی ممالک میں غیر مسلم اقلیتوں کی قدیم اور نئی عبادت گاہوں کے قیام کے موضوع پر موجودہ لٹریچر میں ایک مثبت اضافہ ہو گا۔

اقلیت سے کیا مراد ہے؟

اقلیت عربی زبان کے لفظ "قلیل" سے مشتق ہے۔ ثلاثی مجرد ہے اور اس کے حروف اصلیہ "ق،ل،ل" ہیں اور اس کا معنی " تھوڑا یا کم ہونا" ہے۔ڈاکٹر یوسف قرضاوی اقلیت کی اصطلاحی تعریف یوں کرتے ہیں: کسی بھی ریاست یا ملک، یا خطے میں رہنے والے افراد کا ایسا چھوٹا گروہ جو رنگ، نسل، زبان، مذہب، رسم ورواج کے اعتبار سے وہاں کے کسی بڑے گروہ سے منفرد یا الگ تھلگ پہچان رکھتا ہو، اقلیت کہلاتا ہے[6]

آکسفورڈ ڈکشنری میں اقلیت کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"A relatively small group of people differing from majority in race, religion, etc".[7]

"کسی معاشرے میں رہنے والے افراد کا ایسا چھوٹا طبقہ جو نسل، مذہب اور زبان وغیرہ میں دیگر بڑے طبقات سے مختلف ہو"

اسلام کا تصورِ اقلیت

اقلیت ایک نئی اصطلاح ہے جو متقدمین فقہاء کی کتب میں مستعمل نہیں ہوئی۔ متقدمین فقہاء غیر مسلموں کو ذمی، حربی، مستامن وغیرہ کے درجات میں تقسیم کرتے ہوئے ان کے حقوق کا تعین کرتے ہیں۔ چونکہ تعداد کے لحاظ سے چونکہ وہ کم ہوتے ہیں اس لئے انہیں اقلیت کہا جاسکتا ہے۔ مغرب اور یورپ میں اقلیت کا تصور رنگ، نسل، جغرافیائی وابستگی، اور مذہب سے منسلک ہے۔ چنانچہ وہاں کالے رنگ کے لوگ اقلیت ہیں۔ لیکن اسلامی فقہ میں جسے اقلیت کہا جاتا ہے اس میں صرف مذہب کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ یعنی اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب سے تعلق رکھنے والے طبقات اسلامی ریاست میں اقلیت کہلائیں گے۔ اقلیت کے اس تصور میں رنگ، نسل، جغرافیائی وابستگی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لہذا اسلام باقی سب اقلیتی پیمانوں کو باطل قرار دیتا ہے۔

اسلام ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جو نوع انسانی کو فرد سے لے کر اجتماع تک زندگی کے ہر پہلو ہر گوشے میں مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ داعی اسلام حضور نبی رحمت ﷺ کی تبلیغ کا پہلا بنیادی اصول ہی یہ تھا کہ خالق کائنات کی نظر میں رنگ، نسل، عربی، عجمی کی تفریق کوئی معنی نہیں رکھتی۔ کسی بھی تفریق کے بغیر بنی نوع انسان کا ہر فرد قرآن مجید کا مخاطب ہے۔ اسلام نے اس سوال کا جواب بھی دے دیا کہ اُن کے حقیقی خالق نے ان کی تخلیق میں نسلی ولسانی تفاوت کیوں رکھا۔ چنانچہ قران مجید میں ارشاد باری تعالی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ [8]

"اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو، بیشک اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے"

اس طرح اسلام نے نسلی و لسانی، رنگ و نسل اور علاقائی بنیادوں پر موجود تمام برتری و تفاخر کے تصورات کو باطل قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا۔ اور واضح کر دیا کہ برتری اور عزت کا صرف وہی سزاوار ہے جو اپنے کردار کی چادر طیب و طاہر لائے گا خواہ وہ کسی رنگ و نسل کا ہو یا کسی بھی جغرافیے کا باسی ہو۔ یہ اسلام کا صرف دعوی ہی نہیں تھا بلکہ اسلام نے یہ کر کے بھی دکھایا۔ قریش قبیلے سے تعلق رکھنے والے بڑے بڑے مالدار سردار اور خونی رشتے دار مخالفتِ حق میں ذلیل ورسوا ہو کر رہ گئے لیکن حبش و فارس سے بکتے بکتے آئے ہوئے غلام بلالؓ و سلمانؓ سیادت کا شرف پا گئے۔ رنگ و نسل کی تفریق و برتری کے خاتمے کے لئے ہی تو حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تمہارے اوپر ہاتھ پاؤں کٹا کالا غلام بھی امیر بنایا جائے اور وہ تمہیں کتاب للہ کے مطابق چلائے تو اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو۔[9]

لیکن مذہبی بنیاد کے اقلیتی تصور کا یہ مطلب بھی ہر گز نہیں کہ اس بنیاد پر دیگر مذاہب کے لوگوں کو حقوق نہیں دئے جائیں گے یا ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ نہیں ہو گا۔ نہیں بلکہ انہیں ان کے بنیادی حقوق دینے میں دنیا کا کوئی مذہب یا انسانی نظام اسلام کے قریب بھی نہیں بھٹکتا۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ [10]

"اے ایمان والو! اللہ کے لئے مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے انصاف پر مبنی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے، اور اللہ سے ڈرا کرو، بیشک اللہ تمہارے کاموں سے خوب آگاہ ہے"

دارالاسلام سے کیا مراد ہے؟

اس بحث میں جانے سے قبل یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ کون سا ملک یا شہر کب دارالاسلام یا مصر المسلمین یا بلد المسلمین کہلاتا ہے؟ اس بارے میں فقہائے کرام روئے زمین کو دو حصوں دارالاسلام اور دارالحرب میں تقسیم کرتے ہیں۔ پھر وہ دارالاسلام کو بھی جغرافیائی سطح پر تقسیم کرتے ہیں یعنی جزیرہ عرب اور غیر عرب۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک دارالحرب کے لئے تین شرطیں ہونا ضروری ہیں: کفر کے احکام کا غلبہ ہو، لوگوں کو امان دینے

کا اختیار غیر مسلموں کے پاس ہو، اور وہ علاقہ ہر طرف سے دارالکفر سے گھرا ہوا ہو۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک صرف پہلی شرط پر ہی ایک علاقہ دارالحرب بن جاتا ہے[11] امام اعظم ابو حنیفہؒ اور دیگر فقہائے عظام کے موقف کی روشنی میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خانؒ (۱۳۴۰ھ) فاضل بریلی لکھتے ہیں: مسلمان امام جب کفار کے کسی علاقہ کو فتح کر کے وہاں اسلامی احکام جاری کر دیتا ہے تو وہ علاقہ دارالاسلام بن جاتا ہے۔[12] امام محمد الشیبانی (۱۸۹ھ) اپنی کتاب السیر میں فرماتے ہیں: لِأَنَّهُ صَارَ مِنْ جُمْلَةِ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ يَصِحُّ فِيهِ الْجُمَعُ وَالْأَعْيَادُ وَتُقَامُ فِيهِ الْحُدُودُ[13] کیونکہ وہ شہر مسلمانوں کا شہر ہو گیا کہ اس میں نماز جمعہ، عیدین، اور حدود کا نفاذ درست طور پر ہوتا ہے)۔ آگے چل کر اس ضمن میں امام محمد الشیبانی (۱۸۹ھ) فرماتے: وَكُلُّ مِصْرٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ يُجَمَّعُ فِيهَا الْجُمَعُ[14] ہر وہ شہر جس میں نماز جمعہ ہو رہا ہو وہ مسلمانوں کا شہر کہلاتا ہے" گویا امام الشیبانیؒ کے نزدیک کسی شہر کے " مصر المسلمین یا بلد المسلمین" ہونے کے لئے وہاں صرف جمعہ نماز کا قیام ہی کافی ہے۔ کسی بھی ملک یا شہر کے دارالاسلام یا مصر المسلمین یا بلد المسلمین ہونے سے متعلق فقہائے کرام کی اکثریت کا موقف یہی ہے کہ جہاں اسلامی احکام میں سے چند ایک کا بھی نفاذ ہو وہ دارالاسلام ہو گا۔ ڈاکٹر محمد مشتاق احمد (۲۰۱۲م) اس حوالے سے کہتے ہیں: "اس (دارالاسلام) کا مطلب یہ نہیں کہ جب تک کسی علاقے میں پورے اسلامی قانون کا نفاذ نہ کیا جائے تب تک اسے دارالاسلام نہیں کہا جاسکے گا"۔[15] نیز وہ دارالاسلام کے حوالے سے فقہائے احناف کے موقف کا خلاصہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "امام السرخسیؒ نے صراحت کی ہے کہ دارالکفر کے کسی ٹکڑے کو مسلمانوں نے فتح کر لیا تب بھی محض فتح سے وہ علاقہ دارالاسلام نہیں بن جاتا جب تک کہ مسلمان حکمران دو میں سے کوئی ایک کام نہ کرے یا تو وہ اس علاقے کو دارالاسلام بنا دے (تصيير البقعة دار إسلام) یا وہ اس علاقے میں اسلامی اسلامی قانونی نظام نافذ کر دے (اجراء احكام الاسلام)۔ پس اسلامی احکام کے اجراء کی شرط اس علاقے کے لئے ہے جو پہلے دارالکفر ہو لیکن اب اسے مسلمانوں نے فتح کر لیا ہو۔ یہ شرط اس علاقے کے لئے نہیں جو پہلے سے دارالاسلام ہو"[16]

اسلامی ملک (دارالاسلام) میں اقلیتوں کی مذہبی آزادی

قرآن و سنت کے مطالعے سے ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کی نظر میں دعوتِ حق اور جبر واکراہ کلیۃً دو الگ حقیقتیں ہیں۔ اسلام میں اگر دعوت حق کی بنیاد تشدد اور جبر واکراہ پر ہوتی تو آج پورے جزیرہ عرب، یورپ، ہندوستان اور وہ ممالک جو مسلمانوں کی خلافت و سلطنت کا حصہ رہے ہیں، میں کوئی ایک بھی غیر مسلم نہ ملتا اور نہ

ہی مسجد کے علاوہ کوئی کنیسہ، گرجا یا مندر نہ پایا جاتا۔ اقلیتوں کی مذہبی آزادی سے متعلق اسلام کا واضح موقف ہے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالی ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ [17]

"اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ضرور سب کے سب لوگ جو زمین میں آباد ہیں ایمان لے آتے، (جب رب نے انہیں جبراً مومن نہیں بنایا) تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں"

امام ابن کثیر (۷۷۴ھ) آیت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کسی کو قبول اسلام پر مجبور نہ کرو کیونکہ اسلام تو روشن دن کی مانند واضح دین۔ اس کے دلائل و براہین واضح ہیں۔ اس لئے اسلام اس بات کا محتاج ہی نہیں کہ خود کو منوانے کے لئے وہ کسی کو مجبور کرے۔[18] مسلمان کی پیغامِ حق کے صرف ابلاغ کی ذمہ داری ہے کہ وہ غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچا دے۔ اب یہ ان کی مرضی ہے کہ وہ اسے قبول کریں یا نہیں۔ حضور نبی رحمت ﷺ کی پوری سیرت، خلفائے راشدینؓ اور دیگر مسلم فاتحین کا رویہ اس بارے میں ایک واضح عملی نمونہ ہیں۔

دارالاسلام میں رہنے والے غیر مسلموں (ذمیوں) کے ساتھ معاملات سے متعلق اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ چند خاص امور کے علاوہ انہیں مسلمانوں کے مساوی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ چند مستثنیات کے علاوہ ان پر مسلمانوں جیسی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ عہد نبوی ﷺ میں اہل نجران کے ساتھ طے شدہ معاہدے میں حضور اکرم ﷺ نے تحریر فرمایا تھا: ہر وہ شے جو ان (غیر مسلموں) کی ملکیت ہے انہی کی رہے گی۔ ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پناہ ہے۔ کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کاہن کو اس کی کہانت سے زبردستی نہیں ہٹایا جائے گا۔[19] حضرت عمر فاروقؓ نے اہل ایلیا کے ساتھ بھی اسی نوعیت کا معاہدہ کیا تھا، جس میں تحریر تھا: "عمرؓ اہل ایلیا کو ان کی جانوں، اموال، عبادت گاہوں اور ان کے تمام افراد کو امان دیتا ہے۔ ان کی عبادت گاہوں کو نہ بے آباد کیا جائے گا، نہ منہدم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کا کوئی حصہ لیا جائے گا۔ وہ اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے میں آزاد ہوں گے۔ انہیں دین کے معاملے میں کسی طرح سے بھی مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں کسی قسم کی بے جا تکلیف دی جائے گی"۔[20] اسی طرح اسلامی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ مختلف ادوار میں گرجاگھر، کنیسے اور دیگر عبادت گاہیں اسلامی سلطنت میں موجود رہے ہیں۔ کبھی بھی انہیں ادنیٰ گزند تک نہیں پہنچائی گئی بلکہ اسلامی حکومتوں نے ان کی حفاظت کی ہے۔

اسلامی ملک (دار الاسلام) میں غیر مسلموں کی عبادت گاہیں

اسلامی ملک میں غیر مسلم ذمیوں کی عبادت گاہوں کے بارے میں فقہائے اسلام حضور نبی رحمت ﷺ سے مروی احادیث مبارکہ کو بنیاد بناتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا خِصَاءَ فِي الْإِسْلَامِ وَلَا كَنِيسَةَ "اسلام میں بنی آدم کو خصی کرنا جائز نہیں اور نہ اب کوئی کنیسہ بنے گا" [21] امام سبکیؒ (۷۵۶ھ) نے سند کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ سے روایت کیا کہ حضور نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا تُحْدِثُوا كَنِيسَةً فِي الْإِسْلَامِ وَلَا تُجَدِّدُوا مَا ذَهَبَ مِنْهَا [22] "دار الاسلام میں نئے کنیسے نہیں بنائے جائیں گے اور جو اس کا حصہ ضائع ہو گیا اس کی تجدید بھی نہیں کی جائے گی" جب تک اسلام کمزور تھا۔ تالیفِ قلب کی مد میں مسلمان خاموش تھے۔ یہود و نصاری کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے انہیں ان کے معبد خانوں سے متعلق سمجھوتہ کرنا پڑا۔ لیکن جب اللہ تعالی نے اسلام کو غالب کر دیا اور یہود و نصاری کو مغلوب تو اللہ تعالی نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ اب وہ اپنی مملکت میں غیر مسلموں کے معبد تعمیر نہ کرنے دیں۔ کیونکہ اگر مسلمان یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اسلام ہی حق مذہب ہے اور باقی سب باطل ہیں تو پھر باطل مذاہب کی عبادت گاہوں کو بننے کی اجازت دینے کا مطلب یہ رہ جاتا ہے کہ اسلام کمزور دین ہے جو باطل ادیان کے معبد کی تعمیر بھی نہیں روک سکتا۔

اس موضوع پر فقہائے اسلام نے مختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ دار الاسلام میں موجود غیر مسلموں کی پرانی عبادت گاہیں، ان کی مرمت، ان پر اضافہ، نئی عبادت گاہوں کی تعمیر جیسی جہات پر فقہا نے عرق ریزی کرتے ہوئے نہایت تفصیل سے بحث کی ہے اور اس موضوع کا کوئی گوشہ بھی تشنہ لب نہیں چھوڑا۔ اس ساری مختلف الجہات بحث کو فقہائے کرام نے نہایت ہی عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے۔

جزیرہ عرب میں غیر مسلموں کی عبادت گاہیں

اس بارے میں فقہائے اسلام کا اجماع ہے کہ جزیرہ عرب میں غیر مسلموں کی کوئی بھی عبادت گاہ نہیں چھوڑی جائے گی نہ قدیمی اور نہ ہی نئی۔ کیونکہ اس پر واضح نصوص موجود ہیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی آخری وقت میں بخار کی شدت بڑھ گئی تھی تو اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ [23] "مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو" ایک اور حدیث جسے امام مالک (۱۷۹ھ) نے اپنی مؤطا میں ابن شہاب سے روایت کیا ہے: لَا يَجْتَمِعُ دِينَانِ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ [24] "اب جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہونگے" امام ابو داؤد (۲۷۵ھ) نے اپنی سنن میں حضرت عبد اللہ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا تَكُونُ قِبْلَتَانِ فِي بَلَدٍ وَاحِدٍ [25] "ایک شہر میں دو قبلے

جمع نہیں ہوں گے" امام ترمذی (۲۷۹ھ) نے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا تَصْلُحُ قِبْلَتَانِ فِي أَرْضٍ وَاحِدَةٍ [26] "ایک ہی سرزمین پر دو قبلے جائز نہیں" یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جزیرہ عرب سے کون سا علاقہ مراد ہے؟ اس میں کون کون سے ممالک اور شہر آتے ہیں؟ امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کے نزدیک جزیرہ عرب سے مراد مدینہ منورہ ہے، امام بخاری سے منقول ہے کہ اس سے مراد مکہ اور مدینہ ہیں۔

امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں: امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور دیگر علما کفار کو جزیرہ عرب سے نکال دینے کو واجب قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کا وہاں سکونت اختیار کرنا جائز نہیں۔ البتہ جزیرہ عرب کی تحدید میں آئمہ میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ امام شافعیؒ اس حکم کو حجاز (مکہ، مدینہ، اور یمامہ) کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔[27] علامہ ابن قدامہ حنبلی (۶۲۰ھ) نے امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی موقف نقل کیا ہے۔[28] جبکہ احناف اور مالکیہ کا موقف یہ ہے جزیرہ عرب صرف انہی شہروں تک محدود نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ (۱۲۵۲ھ) کہتے ہیں یہ حکم محض مکہ اور مدینہ تک ہی محدود نہیں بلکہ تمام جزیرہ عرب کا یہی حکم ہے جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں بیان ہوا ہے۔[29] امام الکاسانیؒ (۵۸۷ھ) کہتے ہیں امام محمد بن حسن الشیبانیؒ (۱۸۹ھ) کے نزدیک جزیرہ عرب سے مراد الْعُذَيْبِ سے مکہ مکرمہ اور عَدَنَ أَبْيَنَ سے یمن کے آخر تک کا علاقہ ہے۔[30] علامہ ابن عابدینؒ (۱۲۵۲ھ) نے اس بارے میں بہت ہی واضح انداز میں یوں تفصیل بیان کی ہے: جزیرہ عرب پانچ اقسام میں منقسم ہے: تہامہ، نجد، حجاز، عروض اور یمن۔ تہامہ یہ حجاز کا جنوبی علاقہ ہے۔ اور نجد حجاز اور عراق کے مابین کا علاقہ ہے۔ اور حجاز یمن سے ملک شام تک متصل علاقہ اور اس میں مدینہ اور عمان شامل ہیں۔ اور یمامہ سے بحرین کا علاقہ عروض کہلاتا ہے۔ [31] یہ تقریباً وہی علاقہ بنتا ہے جس کا ذکر بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ یعقوب بن محمد نے کہا: میں نے مغیرہ بن عبد الرحمن سے جزیرہ عرب کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے کہا اس سے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمامہ اور ارض یمن مراد ہے اور یعقوب نے کہا اور عرج تہامہ کا ابتدائی حصہ بھی اس میں شامل ہے۔[32] چنانچہ امام القرافی مالکیؒ (۶۸۴ھ) نے بھی مالکیہ کے موقف میں تقریباً یہی علاقے جزیرہ عرب میں شمار کئے ہیں۔[33]

اس طرح احناف و مالکیہ کے مذہب پر جزیرہ عرب آج کے زمانے میں سعودی عرب، یمن، عمان، قطر، متحدہ عرب امارات، بحرین اور کویت کے ممالک پر مشتمل ہے جیسا کی نقشے میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ وہ علاقہ ہے جس میں علمائے احناف کے نزدیک کنیسہ، مندر، بیعہ یا کوئی اور غیر مسلموں کی عبادت گاہ خواہ نئی ہو یا قدیمی منہدم کئے جائیں گے اور کسی بھی نئی عبادت گاہ کے بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ جزیرہ عرب میں غیر مسلموں

کے آباد ہونے کے بارے میں فقہائے احناف کا واضح موقف وہی ہے جو امام الکاسانیؒ (۵۸۷ھ) نے یوں بیان کیا ہے: "اور جہاں تک سرزمین عرب کی بات ہے تو اس میں کوئی بھی کنیسہ اور بیعہ باقی نہیں چھوڑا جائے گا۔ اور شہر ہوں یا دیہات، یا عرب کے سمندر، سارے عرب میں کہیں بھی شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت جائز نہیں ہو گی۔ اور مشرکوں کو سرزمین عرب کو مسکن یا وطن بنانے سے منع کیا جائے گا۔ جیسے امام محمدؒ نے دیگر علاقوں پر سرزمین عرب کی فضیلت اور تمام باطل ادیان سے اُسے پاک کرنے کا ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سرزمین عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے" [34]

علامہ ابن عابدینؒ (۱۲۵۲ھ) اس بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: " (غیر مسلم ذمیوں کو) ایسی طویل مدت تک وہاں ٹھہرنے سے منع کیا جائے گا کہ وہاں وہ رہائش وغیرہ بنائیں کیونکہ زمین عرب میں ان کا التزام جزیہ کے ساتھ ٹھہرنا ایسا ہی ہے جیسے وہ دیگر مقام پر بلا جزیہ ٹھہریں، البتہ وہاں انہیں تجارت سے منع نہیں کیا جائے گا۔ تاہم طویل قیام سے روکا جائے گا، اسی طرح زمین عرب کا معاملہ ہے، شرح السیر۔ ظاہر یہی ہے کہ طوالت مدت کی حد ایک سال تک ہے" [35]

" البتہ اگر غیر مسلم ذمی سرزمین عرب کے علاوہ مسلمانوں کے کسی بھی اور شہر میں سکونت اختیار کرنا چاہیں تو انہیں اس کی اجازت ہے۔ اس بارے میں محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) فرماتے ہیں: "غیر مسلم ذمیوں کو سرزمین عرب کو مسکن اور وطن بنانے سے منع کیا جائے گا۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے جو شہر جزیرہ عرب سے باہر ہیں تو ان میں وہ سکونت اختیار کر سکتے ہیں اور اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے" [36]

عجم کے اسلامی شہروں میں غیر مسلم ذمیوں کی عبادت گاہیں

فقہائے اسلام سرزمین عرب کے علاوہ کے بلاد اسلامیہ کی چار اقسام بناتے ہیں۔ اول وہ شہر جس کے لوگ فتح سے قبل ہی اسلام قبول کر لیں، دوسرے وہ شہر جنہیں مسلمان نئے سرے سے آباد کریں، تیسرے وہ جنہیں بزور شمشیر فتح کیا ہو اور چوتھے وہ شہر جنہیں صلح کے معاہدے کے ذریعے حاصل کیا ہو۔ اول الذکر پر تو سب کا اجماع ہے کہ کفر کی معابد منہدم کر دی جائیں گیں کیونکہ اب حق غالب آگیا۔

ا۔ وہ شہر جنہیں مسلمانوں نے نئے سرے سے آباد کیا ہو

فقہائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایسے شہروں میں غیر مسلم ذمی اپنی نئی عبادت گاہیں تعمیر نہیں کر سکتے اور نہ ہی شراب، زنا، اور دیگر محرمات امور سرانجام دے سکتے ہیں۔ حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ اس بارے

میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سوال کیا گیا کہ کیا ذمیوں کو مسلمانوں کے شہروں میں عبادت گاہیں اور کنیسے بنانے کی اجازت ہے؟ تو اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

أَيُّمَا مِصْرٍ مَصَّرَتْهُ الْعَرَبُ، فَلَيْسَ لِلْعَجَمِ أَنْ يَبْنُوا فِيهِ بِيعَةً، وَلا يَضْرِبُوا فِيهِ نَاقُوسًا، وَلا يُشْرِبُوا فِيهِ خَمْرًا، وَلا يَتَّخِذُوا فِيهِ خِنْزِيرًا [37]

"جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہے ان میں ذمیوں کو یہ حق نہیں ہے کہ نئی عبادت گاہیں اور کنائس تعمیر کریں، یا ناقوس بجائیں، شرابیں پئیں اور سور پالیں"

امام سحنون مالکیؒ (۲۴۰ھ) کہتے ہیں میں نے عبد الرحمن بن قاسم مالکیؒ (۱۹۱ھ) سے دریافت کیا کہ کیا امام مالکؒ (۱۷۹ھ) اسلامی شہروں میں نصاری کے کنائس بنانے کو ناجائز قرار دیتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا ہاں امام مالک اسے ناجائز قرار گردانتے تھے۔[38] امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اپنی کتاب الام میں لکھتے ہیں: غیر مسلم ذمیوں کو اس بات کی قطعی اجازت نہیں کہ وہ مسلمانوں کے شہروں میں کنیسے تعمیر کریں، شراب نوشی کریں اور خنزیز پالیں[39]

امام الماوردی شافعیؒ (۴۵۰ھ) فرماتے ہیں:" ایسے شہر جن کی ابتدا مسلمانوں نے کی ہو اور انہیں ایسی ویرانی سے آباد کیا ہو کہ پہلے ان کا کوئی بھی مالک نہ ہو جیسے بصرہ اور کوفہ۔ تو مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ذمی غیر مسلموں کو وہاں آباد کرنے میں اس بات پر مصالحت کریں کہ وہ نئے بیعہ اور کنیسے تعمیر کریں۔ کیونکہ ان کے لئے شرعی ممنوعات پر صلح کرنا جائز نہیں ہے۔ ان کے ساتھ صلح کے معاہدے میں اس بات کا تصور بھی خارج از امکان ہے۔ اگرچہ وہ عقد صلح پر کاربند رہنے کی یقین دہانی بھی کرائیں۔(اگر غیر مسلم ذمی صلح میں یہ شرط رکھیں) تو ان سے کہا جائے گا اگر تم اس شرط کے باطل کرنے پر راضی ہو تو ٹھیک ورنہ ہمارا تمہارا معاہدہ ختم۔ اور ہماری امان تمہیں حاصل رہے گی۔ ان کے ساتھ معاہدہ صلح ختم ہونے سے ان کو ہماری جانب سے حاصل شدہ امان ختم نہیں ہوگی کیونکہ ہم نے صرف اس امر کو ختم کیا جس سے شریعت نے منع کیا"[40]

اس کے بعد امام الماوردیؒ (۴۵۰ھ) خود ہی ایک سوال اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں اگر کوئی یہ کہے کہ "ہم بصرہ، کوفہ اور بغداد میں بیعہ اور کنائس دیکھتے ہیں حالانکہ یہ سب شہر مسلمان خلیفہ نے آباد کئے تھے"۔ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:"ہم کہیں گے اگر ہمیں یہ علم ہو جائے کہ وہ کنیسے اور بیعہ ان شہروں میں نئے بنائے گئے تھے تو انہیں منہدم کرنا واجب ہے اور اگر ہمیں علم ہو کہ یہ معبد ان علاقوں کو نئے سرے سے آباد کرنے سے قبل قدیمی موجود تھے کیونکہ نصاری کی عادت تھی کہ وہ صحراوں اور بیابانوں میں چھوٹے چھوٹے معبد اور بیعہ بنایا

کرتے تھے اور بعد میں وہ انہیں چھوڑ گئے تو ان (کنیسوں اور بیعہ) کو بر قرار رکھا جائے گا اور منہدم نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر یہ جاننا مشکل ہو جائے کہ وہ معابد مسلمانوں کے شہر میں بعد میں بنائے گئے یا پہلے سے موجود تھے تو انہیں استصحاب حال کے اصول پر ان کے حال پر بر قرار رکھا جائے گا"[41]

اس بارے میں احناف کا موقف پیش کرتے ہوئے علامہ ابن عابدینؒ (۱۲۵۲ھ) کہتے ہیں: اگر کنیسہ ایسے شہر میں واقع ہو جس کے بارے میں ذمی دعوی کریں کہ یہ صلح سے فتح ہوا تھا جبکہ مسلمان یہ کہیں کہ یہ بزور شمشیر فتح ہوا تھا اور کئی سال گزرنے کی وجہ سے حقیقت حال مجہول ہو گئی ہو تو حاکم وقت فقہائے کرام اور مؤرخین سے رہنمائی لے گا اور اس کے مطابق عمل کرے گا۔ پھر اگر حل نہ ملے اور اختلاف موجود رہے۔ تو پھر اس شہر کے باسیوں سے پوچھا جائے گا کیونکہ وہی اس شہر کے اصلی باشندے ہیں اور اس پر عمل کیا جائے گا۔[42] تاہم کوفہ، بصرہ اور بغداد کے کنائس کے بارے امام السبکی (۷۵۶ھ) لکھتے ہیں: کوفہ، بصرہ اور بغداد کے شہروں والی زمینوں پر یہ کنیسے اور بیعہ حضرت عمر فاروقؓ کے عراق کی سرزمین فتح کرنے سے پہلے موجود تھے۔ اور ان زمینوں پر مشرکین کی کی کھیتیاں اور بستیاں تھیں۔ حضرت عمرؓ نے انہیں فتح کیا اور ان عبادت گاہوں کو بر قرار رکھا اور کچھ کنیسوں کو ایک دوسرے کے ساتھ متصل کر دیا اور اس طرح یہ اپنی صورت پر باقی رہے۔ اور یہی وہ بات ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابو حامد نے کہا کہ یہ مشرکین کے کھیت اور بستیاں تھیں بعد میں مسلمانوں کوفہ، بصرہ اور بغداد کے شہروں کی بنیاد رکھی اور ان میں اسلام کا پیغام غالب آیا اور یہ شہر مسلمانوں کے شہر قرار پائے۔ اس طرح ظن غالب یہی ہے کہ یہ کنائس و بیعہ ان شہروں کو مسلمانوں کے بسانے سے پہلے ہی موجود تھے جیسے قاہرہ میں پہلے سے موجود تھے[43] لیکن علامہ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کہتے ہیں قاہرہ کے کنائس بعد میں تعمیر کئے گئے۔ مسلم خلیفہ نے انہیں منہدم کر دیا تو ذمیوں نے معاشرے میں مظلومیت کا شور مچایا جس پر علامہ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) نے ایک مفصل فتوی دیا جس میں انہوں نے لکھا:

فإن من المعلوم المتواتر أن القاهرة بنيت بعد عمر بن الخطاب رضى الله عنه بثلاثمائة سنة، بنيت بعد بغداد، وبعد البصرة والكوفة وواسط وقد اتفق المسلمون على أن ما بناه المسلمون من المدائن لم يكن لأهل الذمة أن يحدثوا فيها كنيسة [44]

"یہ بات متواتر طرق سے ثابت ہے کہ حضرت عمر وفاروقؓ کے ۳۰۰ سال بعد مسلمانوں نے قاہرہ شہر کی بنیاد رکھی جبکہ بغداد، بصرہ، کوفہ اور واسط کے شہر اس سے قبل بنے تھے۔ اور تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جن شہروں کو مسلمانوں نے بنایا ہو اس میں اہل ذمہ نئے کنائس تعمیر نہیں کر سکتے"

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ(۶۲۰ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا فرمان اس بات پر واضح دلیل ہے کہ غیر مسلموں سے اس بارے میں کوئی صلح کا معاہدہ نہیں کیا جائے گا کہ انہیں عبادت خانے بنانے کی اجازت دی جائے یا پرانی عبادت گاہوں کو برقرار رکھا جائے اور ان میں عبادت کا اذن دیا جائے۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں: اور ایسے شہر (جنہیں مسلمانوں نے آباد کیا تھا) میں جو بیعہ اور کنائس موجود ہیں جیسے بغداد میں رومی کنیسہ تو یہ ذمی غیر مسلموں کی بستی میں پہلے سے موجود تھا اس لئے اس کو برقرار رکھا گیا۔[45] یعنی جب بغداد شہر کو مسلمانوں نے آباد کیا تو غیر مسلم ذمیوں کی بستی بغداد کی حدود میں آئی تو اسے برقرار رکھا گیا۔ لیکن اس کے بعد نئے کنائس بنانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ جیسا کہ امام الماوردیؒ نے لکھا۔ امام السبکی (۷۵۶ھ) بھی کہتے ہیں کہ جیسے ہی کسی غیر مسلم عبادت گاہ کے بارے میں پتہ چلے کہ وہ بعد میں بنائی گئی ہے تو اسے توڑا جائے گا[46]

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بلاد المسلمین میں ذمی غیر مسلم آباد ہونے کے لئے آتے ہیں اور مسلمانوں سے گھر کرائے پر لیتے ہیں اور گھروں میں عبادت کرتے ہیں تو اس بارے میں شرع کا حکم کیا ہوگا؟ شمس الائمہ امام السرخسی(۴۸۳ھ) اجارہ کے باب میں ایک فقہی مسئلہ کے ذریعے اس سوال کا جواب یوں دیتے ہیں: "اگر کوئی ذمی غیر مسلم کوفہ (جسے مسلمانوں نے آباد کیا تھا) میں کسی مسلمان سے کچھ دراہم کے عوض ایک گھر اجرت پر حاصل کرے اور وہ اسے اجتماع کی بجائے صرف اپنی ذات کے لئے جائے عبادت بنائے تو مسلمان مالک مکان کے لئے اسے روکنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ ذمی کرائے دار اس میں رہنے کا حق دار ہے اور یہ امور معاہدہ اجارہ کے تحت آتے ہیں۔ اور اگر وہ اس گھر میں دیگر غیر مسلموں کے لئے جائے عبادت بنانے کا ارادہ کرے اور اس میں ناقوس بجائے تو مالک پر واجب ہے کہ وہ اسے منع کرے۔ وَلَيْسَ ذَلِكَ مِنْ قِبَلِ أَنَّهُ يَمْلِكُ الدَّارَ وَلَكِنْ عَلَى سَبِيلِ النَّهْيِ عَنْ الْمُنْكَرِ ، فَإِنَّهُمْ يُمْنَعُونَ مِنْ إِحْدَاثِ الْكَنَائِسِ فِي أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ "اور یہ منع کرنا اس لئے لازم نہیں کہ وہ گھر کا مالک ہے بلکہ 'یہ بر سبیل "نہی عن المنکر ہوگا" لہٰذا ذمیوں کو مسلمانوں کے شہر میں نئے عبادت خانے بنانے سے منع کیا جائے گا. اور ہر بندہ مومن پر لازم ہے کہ وہ اس عمل سے انہیں روکے جیسے گھر کا مالک روکتا ہے"[47]

امام الکاسانیؒ(۵۸۷ھ) فرماتے ہیں: "مسلمانوں کے شہر میں نئے کنیسے بنانا شرعاً ممنوع ہے۔ اگر امام وقت کسی شہر کو مسلمانوں کے لئے آباد کرے جیسے حضرت عمر فاروقؓ نے کوفہ وبصرہ شہر بسائے تھے۔ اور اس میں کچھ ذمی غیر مسلم آکر گھر خریدیں اور انہیں کنائس بنانے کا ارادہ کریں تو انہیں ایسا نہیں کرنے دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی ذمی غیر مسلم اپنے گھر کو صومعہ بنالے تو بھی اسے منع کیا جائے گا کیونکہ یہ بھی کنیسہ بنانے کے مترادف ہے"۔

[48]علامہ بدر الدین عینی حنفیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں: ''اس بات پر تمام علما کا اجماع ہے کہ مسلمانوں کے شہروں میں یہودیوں اور عیسائیوں کے معبد بنانا جائز نہیں ہے اور انہیں نہ تو اجتماعی عبادت کی اجازت ہے اور نہ ہی راہب خانے بنانے کی۔ نہ تو وہ شراب پی سکتے ہیں، نہ خنزیر پال سکتے ہیں اور نہ ہی ناقوس بجاسکتے ہیں"[49]

اس ممانعت کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ کا ذکر کرتے ہوئے امام السرخسی (۴۸۳ھ) لکھتے ہیں: عِنْدِي أَصَحُّ فَإِنَّ الْمَنْعَ مِنْ ذَلِكَ فِي الْأَمْصَارِ لَا يَفْتَتِنُ بِهِ بَعْضُ جُهَّالِ الْمُسْلِمِينَ [50]"میرے نزدیک صحیح ترین بات یہی ہے کہ شہروں میں ذمیوں کو ان امور سے منع کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بعض سادہ مسلمان اپنی دینی امور میں جہالت کی وجہ سے کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں (جیسے ان کی عبادات میں شرکت وغیرہ)" خلاصہ یہ کہ جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہو وہاں پر غیر مسلموں کی عبادت گاہیں تعمیر نہیں کی جائیں گیں۔ اور اگر غیر مسلم ان شہروں میں آکر آباد ہونا بھی چاہیں تو انہیں مسلمانوں کی آبادی سے الگ رکھا جائے گا۔ امام الرویانیؒ سے روایت کرتے ہوئے امام سبکی (۷۵٦ھ) کہتے ہیں: وَلَوْ صَالَحَهُمْ عَلَى التَّمْكِينِ مِنْ إِحْدَاثِهَا فَالْعَقْدُ بَاطِلٌ [51]"اور اگر حاکم وقت نے غیر مسلم ذمیوں سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ نئی عبادت گاہیں بنا سکیں گے تو یہ عقد ہی باطل ہو گا" گویا امام وقت کے لئے بھی شرع کی مخالفت کرتے ہوئے یہ اجازت دینا جائز نہیں۔ علامہ ابن عابدین (۱۲۵۲ھ) کہتے ہیں: لَا يَجُوزُ إِحْدَاثُ كَنِيسَةٍ فِي الْقُرَى وَمَنْ أَفْتَى بِالْجَوَازِ فَهُوَ مُخْطِئٌ وَيُحْجَرُ عَلَيْهِ [52]"بستیوں میں نئے کنیسے بنانے جائز نہیں اور جو اس کے جواز کا فتوی دے گا وہ خطا پر ہو گا اور اس کے (فتوی دینے) پر پابندی عائد کی جائے گی"

۲۔ وہ شہر جنہیں مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیا ہو

مسلمانوں نے جتنے بھی علاقے فتح کئے ہیں زیادہ تر وہی ہیں جنہیں مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیا ہے۔ ایسے شہر بہت ہی کم ہیں جنہیں صلح کے ذریعے فتح کیا گیا ہو۔[53] جو شہر مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کئے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں: اول یہ کہ فتح کے بعد مسلم حکمران غیر مسلم ذمیوں کو ہی وہ شہر دے دے۔ دوم یہ کہ فتح کے بعد اس شہر میں مسلمان آبا ہو جائیں یا وہ ساری آبادی مسلمان ہو جائے[54] اسی طرح امام السبکیؒ (۷۵٦ھ) کہتے ہیں وہ شہر یا تو ایسے ہوں گے جن میں پہلے سے کنائس اور بیعہ موجود ہوں گے یا پھر پہلے سے موجود نہیں ہوں گے۔[55] اس طرح کل تین طرح کے شہر ہو جاتے ہیں۔

ا۔ بزور شمشیر مفتوحہ شہر لیکن اس کی زمین خراج کی شرط پر غیر مسلموں ذمیوں کو دے دی گئی اور اس میں پہلے سے ان کی عبادت گاہیں موجود ہوں۔

۲۔ بزور شمشیر مفتوحہ شہر جس میں غیر مسلموں کو ذمی بنانے کے ساتھ شہر مسلمانوں کے لئے خاص کر دیا گیا اور اس میں پہلے سے غیر مسلموں کی عبادت گاہیں موجود ہوں۔

۳۔ بزور شمشیر مفتوحہ شہر جس میں غیر مسلموں کو ذمی بنانے کے ساتھ شہر مسلمانوں کے لئے خاص کر دیا گیا اور اس میں پہلے سے غیر مسلموں کی عبادت گاہیں موجود نہ ہوں۔

پہلی صورت کے متعلق علامہ ابن عابدین (۱۲۵۲ھ) کہتے ہیں: " ذمیوں کو نئے کنیسے بنانے سے منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ممانعت مسلمانوں کے ان شہروں کے لئے خاص ہے جن میں جمعہ کی نماز اور اللہ کی حدود کا نفاذ ہو رہا ہو"[56] جب نئے کنیسے بنانے کی اجازت ہے تو پرانے کنیسوں کی مرمت کی بھی اجازت ہو گی۔

دوسری صورت سے متعلق امام السبکیؒ (۷۵٦ھ) کہتے ہیں اگر ان میں کنائس پہلے سے موجود تھے تو مسلمانوں کی جانب سے ان کے منہدم کئے جانے میں دو امکانات ہیں کہ یا تو انہوں نے فتح کے وقت منہدم کیا ہو گا یا پھر فتح کے بعد منہدم کیا ہو گا۔ فتح کے وقت یا فتح بعد کنیسوں اور بیعات کے انہدام میں مزید دو امکانات ہیں: یا تو مسلم امام کی طرف سے انہیں برقرار رکھنے کے فیصلے سے پہلے مسلمانوں نے منہدم کر دیا ہو گا، یا پھر برقرار رکھنے کے فیصلے کے بعد منہدم کیا ہو گا۔ اگر تو مسلمانوں نے انہیں فیصلے سے پہلے منہدم کر دیا تھا تو اس پر فقہائے اسلام کا اجماع ہے کہ غیر مسلم ذمیوں کا ان کینسوں یا بیعات پر کوئی حق نہیں ہے۔ اور انہیں دوبارہ تعمیر یا مرمت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اور یہی حکم اس وقت بھی ہو گا اگر ان عبادت گاہوں کو دوسرے غیر مسلموں نے منہدم کر دیا ہو۔[57] کیونکہ ابھی تو ان عبادت گاہوں کو برقرار رکھنے کا فیصلہ ہی نہیں کیا گیا تھا۔ بعد میں جس وقت برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تو وہ فیصلہ صرف ان عبادت گاہوں کے حق میں ہو گا جو اس وقت موجود ہوں گیں۔ جو منہدم ہو چکیں تو وہ بالکل ایسے ہی جیسے موجود ہی نہیں۔ امام السبکی (۷۵٦ھ) کہتے جہاں تک کنیسوں اور بیعات کو برقرار رکھنے کے فیصلے کے بعد مسلمانوں کی جانب سے انہیں منہدم کرنے کی بات ہے تو اس کے بارے میں امام ابو حامدؒ، امام الرافعیؒ اور احناف، حنابلہ اور بعض مالکیہ کی یہی رائے ہے کہ غیر مسلم ذمیوں کو ان منہدم عبادت گاہوں کی ترمیم سے منع نہیں کیا جائے گا اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ [58]

البتہ دوسری صورت کے بارے میں احناف کی رائے یہ ہے کہ قدیمی کنائس اور بیعات کو منہدم نہیں کیا جائے گا بلکہ غیر مسلموں کو دیے جائیں گے اور انہیں حکم دیا جائے گا کہ وہ انہیں اپنی رہائش گاہ کے طور پر استعمال میں لائیں۔ علامہ بدرالدین عینی حنفی (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں: "ہم احناف کے نزدیک یہ ہے کہ حاکم وقت ان (غیر مسلموں) کو حکم دے گا کہ وہ اپنی عبادت گاہوں کو اپنا مسکن بنالیں۔ ان میں عبادت سے روکا جائے گا لیکن انہیں

منہدم نہیں کیا جائے گا اور یہ اس وقت ہو گا جب مسلمان فتح کے بعد غیر مسلموں کو ذمی بنالیں۔ ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا بھی یہی موقف ہے۔ لأن الصحابة - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ - فتحوا كثيراً من البلاد عنوة ولم يهدموا كنائسهم. وكتب عمر بن عبد العزيز - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - إلى عماله: لا تهدموا بيعة ولا كنيسة "کیونکہ صحابہ کرامؓ نے اکثر ایسے شہر بزور شمشیر فتح کئے جن کے کنائس انہوں نے منہدم نہیں کئے اور حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اپنے گورنروں کو لکھا تھا کہ بیعات اور کنیسوں کو منہدم نہ کیا جائے" [59]

مندرجہ بالا تینوں صورتوں سے متعلق مالکیہ کا موقف یہ ہے کہ کوئی بھی کنیسہ یا بیعہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ علامہ ابن الماجشون مالکیؒ (۳۸۶ھ) کہتے ہیں:

اور جن سے لڑائی کے بعد فتح حاصل کی گئی ہو تو اُن پر جزیہ عائد کرتے ہوئے اُن کے کنیسے منہدم کر دئے جائیں گے۔ پھر انہیں نئے کنیسے بنانے کی بھی اجازت نہیں ہو گی۔ اگر چہ وہ مسلمانوں کی شہروں سے دور ہی کیوں نہ آباد ہوں۔[60] امام القرافی مالکیؒ (۶۸۴ھ) اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: لِأَنَّ قَهْرَنَا لَهُمْ أَزَالَ ذَلِكَ وَالتَّمَكُّنَ مِنْهُ فَلَا نُعِيدُهُ [61] "کیونکہ ان پر ہمارا غلبہ ان کے یہ حقوق اور اس امر پر قدرت کو زائل کر دیتا ہے، پس اس سبب ہم انہیں یہ حق و قدرت واپس نہیں لوٹائیں گے یعنی جب اہل اسلام کفار پر غالب آگئے تو غیر مسلموں کا نئی عبادت گاہوں کی تعمیر کا حق اور اس کی قدرت ختم ہو گئی۔ جب دشمن اسلام مغلوب آگیا اب اہل اسلام انہیں یہ حق دوبارہ کیوں دیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) کہتے ہیں: صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، مذاہب اربعہ، امام سفیان ثوری:، امام اوزاعیؒ، امام اللیث بن سعدؒ اور دیگر فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر امام وقت اجتہاد کرتے ہوئے یا کسی عالم کی رائے پر عمل کرتے ہوئے بزور شمشیر فتح کئے گئے علاقے کے تمام کنیسوں کو منہدم کر دے جیسے مصر اور عراق کے مضافاتی علاقے تو یہ ذمیوں پر اس کا ظلم شمار نہیں ہو گا اور ذمی غیر مسلموں پر امامِ وقت کی اطاعت کرنا واجب ہو گا ورنہ مسلمانوں کے ساتھ ان کا عہد ٹوٹ جائے گا اور امام وقت کے لئے ان کی جانیں اور مال حلال ہو جائے گا[62] علامہ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کے اس فتوے سے لگتا ہے کہ انہوں نے مذکورہ بالا تینوں صورتوں سے قطع نظر مطلق طور پر فتویٰ دیا ہے۔

۳۔ وہ شہر جنہیں مسلمانوں نے صلح کے معاہدے سے حاصل کیا ہو۔

ایسے شہر جو مسلمانوں نے معاہدہ صلح کے ذریعے فتح کئے ہوں تو وہاں معابد کفار سے متعلق حکم صلح کی شرائط پر منحصر ہو گا۔ اگر مطلق صلح ہوئی ہو کہ اس معاہدے میں کفار کی جانب سے نئے معابد بنانے یا قدیمی کو برقرار رکھنے کی شرط شامل نہیں تھی تو اس بارے میں علامہ بدرالدین عینی حنفی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں: اگر مطلق صلح ہوئی تو (ذمیوں) کے لئے نئی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ہو گی اور نہ ہی ان کی پرانی عبادت گاہوں کو گرایا جائے۔ ذمیوں کو ناقوس بجانے، شراب پینے، اور سور رکھنے سے منع کیا جائے گا اور اس پر تمام فقہا کا اجماع ہے۔ اور محیط میں ہے کہ اگر وہ اپنے کنیسوں میں ناقوس بجائیں تو منع نہیں کیا جائے گا[63] اور اگر معاہدہ صلح میں طے پایا کہ خراج کی شرط پر مفتوحہ زمین ذمیوں کے پاس ہو گی تو پھر ان کے لئے نئے معابد بنانے جائز ہوں گے۔ شوافع[64] اور حنابلہ[65] کا یہی موقف ہے۔ مالکیہ کے نزدیک نئے کنائس تعمیر کرنے کی شرط باطل ہو گی[66] اس حوالے سے احناف کا موقف بتاتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی (۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں: "جب مسلمانوں کا غیر مسلم ذمیوں سے اس شرط پر صلح کا معاہدہ طے پائے کہ وہ علاقہ غیر مسلم ذمیوں کا رہے گا تو ان کے لئے نئی عبادت گاہ بنانا جائز ہو گا۔ اگر اس کے بعد وہ شہر مسلمانوں کا ہو جائے تو پھر غیر مسلم ذمیوں کو نئے معبد بنانے سے روک دیا جائے گا۔ پھر اگر (مسلمانوں کے اس شہر سے چلے جانے کے بعد) اس شہر میں مسلمان کم تعداد میں میں رہ جائیں تو غیر مسلم ذمیوں کے لئے نیا معبد بنانا جائز ہو گا۔ پھر اگر مسلمان اس شہر کی جانب واپس لوٹ آئے تو وہ ان عبادت خانوں کو جو ان کے لوٹنے سے قبل بنائے گئے تھے منہدم نہیں کریں گے[67]

اگر معاہدہ صلح اس شرط پر ہوا کہ زمین مسلمانوں کی ہو گی تو پھر ان کی معبد کو ایسے شہروں میں ان کی پرانی عبادت گاہیں تو موجود رہیں گیں۔ اقلیتوں کے لئے اپنی قدیم عبادت گاہوں کے اندر رہ کر اپنے تمام مذہبی اُمور بجالانا جائز ہو گا۔ لیکن نئی عبادت گاہوں کی تعمیر کا معاملہ غیر مسلموں سے طے شدہ شرائط پر ہو گا۔ اگر اس شرط پر صلح ہوئی کہ غیر مسلم نئی عبادت گاہیں تعمیر کریں گے تو انہیں اس بات کی اجازت ہو گی۔ علامہ بدرالدین عینی (۸۵۵ھ) کہتے ہیں: مسلمانوں میں راجح یہی ہے کہ وہ اسی شرط پر صلح کریں کہ نئی عبادت گاہیں تعمیر نہیں ہو سکیں جیسے حضرت عمر فاروقؓ نے کیا تھا۔[68] شوافع میں سے امام السبکی (۷۵۶ھ) کہتے ہیں اس صورت میں نئے کنیسوں کی اجازت سے متعلق میرا موقف توقف کا ہے کیونکہ باطل شرط کی وجہ سے صلح ہی باطل ہو جائے گی۔ تاہم وہ کہتے ہیں: وَالْأَقْرَبُ عِنْدِي الْمَنْعُ[69] "میرے نزدیک زیادہ مناسب یہی ہے کہ نئے کنائس بنانے کی اجازت نہ دی جائے" مالکیہ کا موقف بتاتے ہوئے علامہ ابن الماجشون مالکیؒ (۳۸۶ھ) کہتے ہیں "مسلمانوں کے شہر

میں کوئی نیا کنیسہ تعمیر نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر ذمی غیر مسلم مسلمانوں کے شہر سے الگ رہتے ہوں اور وہاں مسلمانوں کی آبادی نہ ہو تو پھر ان کے لئے یہ جائز ہے۔ اور ان کے لئے شراب اور خنزیر کی بھی اجازت ہو گی۔ اور اگر وہ مسلمانوں کے درمیان رہتے ہوں تو انہیں پرانے کنیسوں کی ٹوٹ پھوٹ کے بعد ترمیم سے بھی منع کیا جائے گا۔ لیکن اگر ان کے ساتھ معاہدے میں یہ بات طے پا جائے تو پھر وعدے کی پاسداری کرنا ہو گی۔ اور انہیں گرجوں میں اندرونی و بیرونی ہر طرح کے اضافے سے بھی روکا جائے گا۔ اور اگر اس شرط پر صلح ہو کہ وہ چاہیں تو نئے کنیسے بنائیں تو اس پر ابن الماجشون نے کہا: یہ شرط رکھنا ہی جائز نہیں ہے اور انہیں اس سے منع کیا جائے گا کیونکہ اس سے حضور ﷺ نے منع فرمایا۔ ہاں اگر وہ ایسے شہر میں (نئے کنیسے بنانے) کی شرط لگائیں جن میں مسلمانوں کی آبادی نہ ہو تو پھر ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہو گا اگرچہ وہ شرط نہ بھی لگائیں۔ ابن الماجشون نے کہا یہ سب اس صورت کے احکام ہیں جب مسلمانوں نے شہر صلح کے معاہدے کے ذریعے فتح کیا ہو"[70]

تاہم یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر صلح کے دوران بیعات اور کنائس کی عمارتوں کو نقصان پہنچے تو کیا ان کی مرمت کی اجازت ہو گی یا اسی جگہ پر اسے دوبارہ بنانے کی اجازت ہو گی؟ امام محمد الشیبانی (۱۸۹ھ) فرماتے ہیں: "اگر غیر مسلم ذمیوں کا کوئی کنیسہ یا بیعہ یا آتش کدہ پہلے سے موجود ہ، پھر اسے (باقی رکھنے) پر صلح ہو جائے اور وہ شہر میں بھی نہ ہو تو اسے اُن کے لئے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر وہ منہدم ہو جائے تو انہیں تعمیر کی اجازت ہو گی۔ اور اگر مسلمان اس جگہ شہر آباد کر لیں تو اس جگہ سے ان کے کلیسے اور کنیسے گرا دئے جائیں گے اور انہیں کسی اور جگہ شہر سے باہر اسی طرح کا کلیسا بنانے کی اجازت ہو گی اور اسی پر ہمارا فتویٰ ہے"[71]

علامہ المرغینانیؒ (۵۹۳ھ) کہتے ہیں: "اگر پرانا کنیسہ یا بیعہ ٹوٹ پھٹ کا شکار ہو گئے ہوں تو وہ ان کو دوبارہ بنا سکتے ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی عمارت ہمیشہ باقی نہیں رہتی۔ لیکن جب امام المسلمین نے انہیں اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دی ہے تو گویا ان سے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ تمہاری عبادت گاہ کو بھی باقی رکھیں گے۔ تاہم انہیں یہ حق نہیں کہ وہ کنیسہ یا بیعہ کو دوسری جگہ منتقل کریں کیونکہ منتقل کرنا در حقیقت نیا بنانے کے مترادف ہوتا ہے"[72]

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی شہر کو مسلمان آباد کریں اور لیکن وقت کے ساتھ ساتھ شہر اتنا پھیل جائے کہ اس شہر کے مضافات میں موجود غیر مسلم ذمیوں کے گاؤں یا بستی اس شہر کا حصہ بن جائے تو اس صورت میں ان کی عبادت گاہوں سے متعلق شریعت کا حکم کیا ہو گا؟ اس سوال کا جواب امام محمد الشیبانیؒ (۱۸۹ھ) اپنی کتاب السیر الکبیر میں یوں دیتے ہیں: "اگر وہ شہر جسے مسلمانوں نے ویران زمین پر آباد کیا ہو، اس کے قرب میں غیر مسلم ذمیوں کی بستی آباد ہو۔ اور شہر وسیع ہوتے ہوئے اس بستی تک تجاوز کر جائے تو

بستی بھی اپنی حدود کے ساتھ شہر میں شامل سمجھی جائے گی۔ اور اگر اس بستی میں ان کا کوئی کنیسہ یا بیعہ یا آتش کدہ موجود ہو تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا"[73]

امام السرخسی (۴۸۳ھ) اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: " لِأَنَّهُمْ أَهْلُ صُلْحٍ، قَدْ اسْتَحَقُّوا بِهِ تَرْكَ التَّعَرُّضِ لَهُمْ فِي ذَلِكَ الْحُكْمِ "کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کے ساتھ ہمارا صلح کا معاہدہ ہوا ہے۔ اس لئے یہ ان کا حق ہے کہ اس بارے میں ان سے کوئی تعرّض نہ کیا جائے "اس کے علاوہ وہ یہ بھی کہتے ہیں: اسی معاہدہ صلح کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے ان ذمیوں کے مال لوٹنا یا انہیں اس جگہ سے نکالنا ناجائز قرار دیا گیا ہے"[74] اس صورت میں تو ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ ذمیوں کی بستی کے شہر میں شامل ہو جانے کے بعد کیا انہیں نئے کنیسوں کے بنانے کی اجازت ہو گی؟ اس بارے میں امام محمد الشیبانیؒ (۱۸۹ھ) فرماتے ہیں: " لیکن اگر وہ اس جگہ نیا کنیسا یا بیعہ بنانے کا ارادہ کریں تو اُنہیں اس کی اجازت نہیں ہو گی۔ کیونکہ وہ اب مسلمانوں کے ایسے شہروں میں سے ہو چکا ہے جہاں جمعہ نماز، عیدین، اور حدود اللہ قائم کرنا صحیح ہے۔ ایسے شہر میں ذمیوں کو کنیسہ بنانے کی اجازت دینے کا مطلب مسلمانوں پر وہن داخل کرنا ہے یا انہیں مسلمانوں کے ساتھ مبینہ طور پر مد مقابل آنے کی قدرت دینا ہے۔ اور یہی حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان وَ لَا كَنِيسَةَ کا مطلب ہے"[75]

علامہ ابن عابدین (۱۲۵۲ھ) کہتے ہیں: نَقَلَ السُّبْكِيُّ الْإِجْمَاعَ عَلَى أَنَّ الْكَنِيسَةَ إِذَا هُدِمَتْ وَلَوْ بِغَيْرِ وَجْهٍ لَا يَجُوزُ إِعَادَتُهَا [76] "امام السبکیؒ نے اس بات پر امت کا اجماع نقل کیا ہے کہ کنیسہ خواہ کسی وجہ سے بغیر بھی منہدم کیا گیا ہو اسے دوبارہ تعمیر نہیں کیا جائے گا"۔ امام السبکیؒ کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن عابدینؒ کہتے ہیں یہ قول اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ امام المسلمین کے حکم پر کنیسوں کے انہدام کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی اگر کنیسوں کو گرانے کا حکم امام المسلمین نے دیا ہو خواہ کسی وجہ کے بغیر ہی دیا ہو تو ان منہدم کنیسوں کو کسی طور بھی دوبارہ تعمیر نہیں کیا جائے گا۔ جہاں تک احناف کے موقف کا تعلق ہے کہ منہدم کنیسوں کو دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت ہو گی اس سے مراد وہ کنیسے ہیں جو لڑائی میں منہدم ہو گئے نہ کہ وہ جنہیں امام المسلمین نے توڑنے کا حکم دیا تھا۔ علامہ ابن عابدین اپنے اس موقف کی تائید میں علامہ الرملیؒ کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی امام السبکیؒ کے قول کو عموم سے استثنیٰ ہے۔[77] یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ "ذمیوں کے لئے منہدم کنیسوں کی مرمت کرنا جائز ہے" سے کیا مراد ہے؟ علامہ ابن عابدینؒ (۱۲۵۲ھ) اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شرنبلالیؒ کے رسالے " احکام الکنائس" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

لَيْسَ الْمُرَادُ أَنَّهُ جَائِزٌ نَأْمُرُهُمْ بِهِ بَلْ بِمَعْنَى نَتْرُكُهُمْ وَمَا يَدِينُونَ ۔ ۔ ۔ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْمَعَاصِي الَّتِي يُقَرُّونَ عَلَيْهَا كَشُرْبِ الْخَمْرِ وَنَحْوِهِ وَلَا نَقُولُ: إِنَّ ذَلِكَ جَائِزٌ لَهُمْ، فَلَا يَحِلُّ لِلسُّلْطَانِ وَلَا لِلْقَاضِي أَنْ يَقُولَ لَهُمْ افْعَلُوا ذَلِكَ وَلَا أَنْ يُعِينَهُمْ عَلَيْهِ وَلَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَعْمَلَ لَهُمْ فِيهِ[78]

"جائز سے یہ مراد نہیں کہ ہم (مسلمان) غیر مسلم ذمیوں کو ترمیم کا حکم دیتے ہیں بلکہ معنٰی یہ ہے کہ ہم انہیں ان کے دین پر چھوڑتے ہیں۔۔۔ پس یہ معاملہ اُن کے اُن گناہوں میں سے ہے جن پر وہ قائم رہتے ہیں مثلاً شراب پینا وغیرہ۔ اور ہم (مسلمان) یہ نہیں کہتے کہ اُن کے لئے یہ امور جائز ہیں۔ لہٰذا مسلمان حاکم اور قاضی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ انہیں کنیسوں کی ترمیم کی ترغیب دیں اور اُن کی معاونت کریں۔ اور نہ ہی کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ اس معاملے میں ان کے لئے کام کرے"

پاکستان میں اقلیتوں کی نئی عبادت گاہ کی تعمیر

اس کے لئے سب سے پہلے پاکستان کی شرعی حیثیت کا تعین کرنا پڑے گا کہ کیا پاکستان دارالسلام ہے یا نہیں؟ اس کا سیدھا سا جواب ہے کہ فقہائے کرام کے اصولوں پر پاکستان دارالاسلام ہے اور اسلام کے نام پر ہی یہ ملک وجود میں آیا تھا۔ ڈاکٹر محمد مشتاق (۲۰۱۲) لکھتے ہیں: "۱۹۴۷ء میں جو علاقے برطانوی تسلط سے آزاد ہو کر پاکستان میں شامل ہوئے ان پر مسلمانوں کا تسلط قائم ہوا۔ ان میں سے بعض علاقے تو ایسے تھے جن پر برطانوی تسلط پورا ہی نہیں تھا اور اس وجہ سے وہ کبھی دارالکفر بنے ہی نہیں تھے اور جو علاقے برطانوی تسلط کی وجہ سے دارالکفر بن چکے تھے، وہ بھی اب دارالاسلام بن گئے کیونکہ ان پر غیر مسلموں کا تسلط ختم ہو گیا اور مسلمانوں کا تسلط قائم ہوا۔ ۱۹۴۹ء میں جب دستور ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد منظور کی تو گویا سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ یہ علاقے دارالاسلام بنا دئے گئے۔ باقی رہی یہ بات کہ کہ کئی شرعی احکام کا نفاذ پاکستان میں تاحال نہیں ہو سکا تو اس بنا پر اس کی دارالاسلام کی حیثیت ختم نہیں ہو جاتی"[79]

پاکستان چونکہ برطانوی تسلط سے ایک معاہدے کے ساتھ آزاد ہوا تھا۔ لہٰذا فقہی تناظر میں اس کی فقہی تکییف اس دارالاسلام کے قریب بنتی ہے جو کفار کے ساتھ معاہدہ صلح کے ساتھ وجود میں آئے۔ اگرچہ بعینہ وہی صورت نہیں ہے، تاہم قریب ترین صورت یہی بنتی ہے۔ ایسے دارالاسلام میں فقہائے کرام اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ معاہدہ صلح کی شرائط کے مطابق غیر مسلموں کو اپنے محلے، علاقے، بستی یا شہر میں قدیم عبادت گاہوں کی ترمیم اور نئی عبادت گاہیں بنانے کی اجازت ہو گی۔ لیکن یہ اجازت اس قید کے ساتھ مقید ہو گی کہ وہ اپنی عباد گاہیں مسلم آبادی کے علاقے میں تعمیر نہیں کریں گے اور نہ ہی مسلم علاقوں میں اپنے مذہبی شعائر کا اظہار کریں

گے۔ نیز اُن کی عبادت گاہوں کی تعمیر میں مسلمان اور مسلمانوں کی حکومت کے لئے جائز نہیں کہ اس میں کسی قسم کا مالی تعاون کرے جیسا کہ جیسا کہ اوپر "معاہدہ صلح کے ذریعے مفتوحہ علاقوں" کی بحث میں امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ، امام السرخسیؒ، امام المرغینانیؒ، اور علامہ ابن عابدینؒ کی عبارات سے واضح ہے۔ پاکستان میں مساجد کی تعمیر ہوتی ہے حکومت پاکستان اس میں کوئی مالی تعاون فراہم نہیں کرتی تو پھر کفر گاہوں کی تعمیر سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوگی۔ اسی طرح امریکہ، یورپ الغرض پوری مغربی دنیا میں مساجد اور اسلامک سینٹرز کی تعمیر کے لئے وہاں کی حکومتیں صرف اجازت دیتی ہیں۔ زمین کی خریداری اور تعمیر کے اخراجات وہاں کی مسلمان آبادی باہم چندے اور صدقات کے ذریعے اکٹھا کرتی ہے۔ اس لئے پاکستان میں اقلیتیں اگر اپنے ایسے محلے میں عبادت گاہ بنانا چاہیں جہاں ان کی خاطر خواہ آبادی ہو تو اسلامی حکومت اجازت دے لیکن زمین اور تعمیر کے اخراجات ان پر چھوڑ دے۔

دارالاسلام کی اصطلاح کو الجھن[80] قرار دینا بھی انتہائی غلط فہمی پر مبنی ہے اور اس پر کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے۔ جب ایک ملک میں مسلمانوں کی حکومت ہے اور شعائر اسلامی کا نفاذ ہے تو وہ کیونکر دارالاسلام نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو امر موجودہ زمانے کے سیاسی تناظر میں مجتہد فیہ ہے وہ ذمی کا مسئلہ ہے۔ اس بارے میں علمائے کرام کی خدمات لی جاسکتی ہے۔ محترم جناب مفتی منیب الرحمن صاحب بارہا لکھ چکے ہیں کہ موجودہ سیاسی تناظر میں پاکستان کے تمام غیر مسلموں کو اقلیت کی بجائے پاکستانی شہری تسلیم کیا جائے۔ اس طرح انہیں پاکستان کے شہری ہونے کے ناطے وہ حقوق میسر آئیں گے جو اس ملک کے باشندے کا حق ہے۔[81] اس طرح انہیں سیاسی طور پر ذمی نہ ہونے کے باوجود وہ حقوق میسر ہوں گے جو ذمیوں کے ہوتے ہیں۔ وہ ملک پاکستان میں اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کرنے میں آزاد ہیں، اپنی زندگی اپنے مذہبی شعائر کے مطابق گزارنے میں آزاد ہیں۔ تاہم یہ ساری آزادی شریعت اسلامیہ کی طے کردہ حدود تک مقید رہے گی۔

اس پس منظر میں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی منشور کو بھی سامنے لایا جاتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر محمد منشاء طیب اور یاسر فاروق (۲۰۲۰) نے کہا ہے کہ پاکستان اقوام متحدہ کا ممبر ہے لہذا اس منشور کے تحت ہم غیر مسلموں پر وہ پابندیاں عائد نہیں کر سکتے شریعت جس کا ہم سے مطالبہ کرتی ہے۔[82] یہ خدشات بھی ناقابل قبول ہیں۔ کیونکہ آئین پاکستان کی رو سے پاکستان میں میں کوئی بھی ایسا قانون نہیں بنایا جاسکتا جو اسلامی احکام کے منافی یا متصادم ہو۔ پاکستان اقوام متحدہ کے وہ مطالبات تسلیم کرنے کا پابند قطعاً نہیں ہے جو اسلامی اصولوں سے متصادم ہیں۔ ورنہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کا منشور ہم سے یہ بھی مطالبہ کرتا ہے کہ ہم ارتداد کی جازت دیں، آزادی اظہار

رائے کے نام پر مقدس ہستیوں کی اہانت پر سزائیں ختم کریں گویا کھلی اجازت دیں۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار نہ دیں، ہم جنس پرستی کی فوری اجازت دیں یہ اور اس جیسے دیگر ایسے مطالبات جو قران و سنت کے احکام کی علی الاعلان بغاوت ہیں۔ تو جس بنیاد پر ہم ان کے یہ مطالبات مسترد کرتے ہیں اسی بنیاد پر یہ مطالبہ بھی مسترد کرتے ہیں کہ غیر مسلموں کو وہ آزادی دیں جو شریعت اسلامیہ میں نہیں دی گئی۔

اس تناظر میں میثاق مدینہ کی مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی کیونکہ وہ اس زمانے میں کیا گیا معاہدہ ہے جب مسلمانوں کی باقاعدہ ریاست و حکومت وجود میں نہیں آئی تھی اور اس وقت مسلمانوں کو دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے ایک حکمت کے تحت وہ معاہدہ کرنا پڑا۔ جو اگرچہ اپنے حالات وزمانے کے اعتبار سے انتہائی اہم چارٹر تھا۔ لیکن جب مسلمانوں کی باقاعدہ ریاست قائم ہوگئی تو پھر میثاق مدینہ کی طرز کا معاہدہ اپنی اسی مکمل صورت میں پوری اسلامی تاریخ میں کہیں بھی کسی قوم کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ میثاق مدینہ کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ تھی کہ مسلمان سیاسی، سماجی اور معاشی سطح پر کمزور ہونے کے باوجود اپنے سے بڑی سیاسی قوت کے خلاف اس میثاق کی صورت میں سیاسی فتح حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے جس میں مدینہ منورہ کے اکثریتی اور طاقت ور دشمن کا فائدہ کم اور قلیل التعداد مسلمانوں کا فائدہ زیادہ تھا اور بعد کے حالات نے یہ ثابت کیا۔ جبکہ پاکستان میں مسلمان طاقت ور ہیں تو پھر کیونکر اور کس لئے اپنے حق میں ایک ایسے معاہدے پر عمل درآمد کریں جو اکثریتی طبقے کے مفاد میں کم اور اقلیتی طبقے کے مفاد میں زیادہ ہو۔

نتیجہ بحث

قرآن و سنت، صحابہ کرامؓ اور فقہائے کرام کے صولوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی جمہوری پاکستان دارالاسلام ہے۔ اور اس کے دارالاسلام قرار دئے جانے سے سیاسی و شرعی احکام کی بجا آوری میں کسی قسم کا تعطل پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ اس کا خدشہ ظاہر کیا جاتا ہے یا ایسا تاثر دیا جاتا ہے۔ جزیرہ عرب میں موجودہ زمانے کے سیاسی تناظر میں بھی غیر مسلموں کی طویل سکونت اور عبادت گاہوں کی اجازت شرعاناجائز ہے کیونکہ وہ امر منصوص ہے۔ البتہ تجارتی امور کے لئے انہیں وہاں کچھ ماہ کی اقامت کی اجازت ہے۔ جہاں تک غیر عرب اسلامی ممالک کی بات ہے جیسے پاکستان جو ایک واضح جدوجہد آزادی کے بعد سیاسی معاہدے سے وجود میں آیا ۔ پاکستان میں غیر مسلم اپنے محلے یا بستی میں اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرسکتے ہیں اور اس بارے میں حکومت پاکستان کا کام صرف اتنا ہے کہ انہیں اجازت دے اور تحفظ فراہم کرے۔ ان کی عبادت گاہوں کی زمین کی قیمت اور تعمیر کے اخراجات حکومت پاکستان ملکی خزانے سے نہ کرے۔ بلکہ یہ امور غیر مسلموں پر چھوڑ دئے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت پاکستان کی یہ بھی ذمہ داری ہے ملک کے جید فقہائے کرام کی خدمات لیں اور اس ضمن میں

ملک کے دیگر علمائے کرام کی خواطر خواہ ٹریننگ و آگاہی ورکشاپس کا اہتمام کرے تا کہ اس طرح کے امور میں اسلامی احکامات سے عدم آگاہی کسی ایسے بڑے فتنے کو جنم نہ دے جو ملک و قوم کے لئے نقصان کا باعث ہو۔

سفارشات:

اگرچہ اس مقالے میں پورے پاکستان کو معاہدہ صلح کے تحت دارالاسلام کی حیثیت میں شمار کرتے ہوئے بحث کی گئی ہے۔ تاہم مستقبل میں مزید تحقیق کے لئے محققین اس موضوع کے حوالے سے اس امر پر بھی غور کریں کہ پاکستان ایک وسیع و عریض ملک ہے جہاں اتنی ویران جگہ بھی ہے جہاں کئی شہر بسائے جاسکتے ہیں۔ کیا اگر کسی ویران جگہ پر مسلمان نیا شہر آباد کریں اور بعد میں کچھ غیر مسلم آکر سکونت اختیار کریں تو کیا وہ نیا شہر بھی پاکستان کے مجموعی معاہدہ صلح کے حکم میں ہو گا یا اس پر حضرت ابن عباسؓ "مصر مصرته العرب" کا اصول لاگو کرتے ہوئے غیر مسلموں کو نئی عبادت گاہوں کی تعمیر سے منع کیا جائے گا؟

References

[1]سورہ البقرہ،۲ : ۲۵۶

Al-Baqarah, 2: 256

[2]طیب، ڈاکٹر محمد منشاء اور فاروق، یاسر، (۲۰۱۹)، **اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی عبادت گاہیں اور مذہبی آزادی: فقہ السیرۃ کے تناظر میں تحقیقی مطالعہ**، جرنل آف ریلیجس اسٹڈیز چترال، جلد ۲، شمارہ ۱، :۲۹۔۴۶

Tayyab, Muhammad Mansha and Farooq, Yasir. (2019), *The Places of Worship of the Non-Muslims and their Religious Independence in an Islmic State: A Review in the Light of Seera'h,* The Journal of Religious Studies of the University of Chitral (UOCHJRS), 2(1). 29-46.

[3]غازی، محمود احمد، **اسلام کا قانون بین الممالک**، اسلام آباد :شریعہ اکیڈمی، ۲۰۱۴، ۳۱۳

Ghazi, Mahmud Ahmad. (2014), *Islam ka Qanoon Bain al-Mamalik*, (Islamabad : Shariah Academy, IIU,) 313

[4]احمد، محمد مشتاق، **جہاد، مزاحمت اور بغاوت**، الشریعہ اکادمی، ۲۰۱۲م، ۱۲۵

Aḥmad, Muhammad Mushtaq, Jihad, *Muzahimat, aur Baghawat*, (Gujranwala: al-Shariah Akadimi, 2012), 125

[5]عمار خان ناصر، **ریاست، معاشرہ، اور مذہبی طبقات**، ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، مارچ ۲۰۱۳

Nasir, Ammar Khan, *Riyasat, Mu'ashrah, aur Mazhabi Tabaqat*, Mahnamah Al-Shari'ah, Gojranwalah, March 2013.

[6]قرضاوی، ڈاکٹر یوسف، **فقہ الاقلیات المسلمہ**، قاہرہ :دار الشروق، ۲۰۰۱، ص:۱۵

Al-Qarḍāwi, Yusaf, *Fiqh al-Aqliyāt*, (Cairo: Dar al-Shuruq, 2001), 15

[7] Oxford Dictionaries, Color Oxford English Dictionary, (Oxford university press, Ed. Sarah Hawker, 3rd edition, 2011), 438

[8]سورہ الحجرات، ۴۹: ۱۳

Al-Hujrat, 49: 13

[9] مسلم بن الحجاج، **صحیح مسلم** ، باب استحباب رمي جمرة، بیروت: دار احیاء التراث العربی، حدیث نمبر: ۳۱۱، ۲: ۹۴۴

Muslim Bin Hajaaj Alqasheri, *Al-Ṣaḥīḥ*, Kitab al-Ḥaj, Bab Istiḥbab rami al-jamarah, (Dar Ihya al-Turath al-Arabi,) Hadith no. 311, 2: 944

[10]سورہ المائدہ، ۵: ۸

Al-Maidah, 5: 8

[11]**فتاوی عالمگیری**، کتاب السیر، الباب الخامس فی استیلاء الکفار، پشاور :نورانی کتب خانہ، ۲: ۲۳۲

Fatāwā Alamgīrī, (Pishawar: Nūrāni Kutub Khanah,) , Kitab al-Siyar, al-Bab al-Khamis fi istila al-Kuffar, 2: 232

[12]بریلوی، احمد رضا خان، **فتاوی رضویہ**، (لاہور: رضا فاؤنڈیشن،) ۱۱: ۱۰۷

Brailvī, Aḥmad Raḍā Khan, *Fatāwā Riḍwiyyah*, (Lahore :Raḍā Foundation,)11: 107.

[13]سرخسی، محمد بن احمد، شرح السیر الکبیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۴: ۲۶۱

Al-Sarakhsi, Muhammad bin Aḥmad, *Sharḥ al-Siyar al-Kabīr*, (Berut :Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, 4: 261

[14]حوالہ بالا، ۴: ۲۶۸

Ibid, 4: 268

[15] احمد، ۱۲۵

Aḥmad, 125

[16] حوالہ بالا، ۱۴۶

Ibid, 146

[17] سورہ یونس، ۱۰: ۹۹

Yunus, 10: 99

[18] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، **تفسیر القران العظیم**، دار طیبہ للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹، ۱: ۶۸۲

Ibn Kathīr, Ismail bin Umar, *Tafsīr al-Qurān al-Azīm*, (Dar Taybah, 1999), 1: 682

[19] ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد، **الطبقات الکبری**، بیروت: دار صادر، ۱۹۶۸، ۱: ۳۶۶

Ibn Sa'd, Muhammad, *Al- Ṭabaqāt al-Kubrā*, (Berut: Dar Sādir, 1968), 1: 366

[20] الطبری، محمد بن جریر، **تاریخ الامم والملوک**، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ، ۲: ۴۴۹

Al-Ṭabrī, Muhammad bin Jarīr, *Tarīkh al-Umam wa al-Mulūk*, (Berut :Dar al-Kutub al Ilmiyyah, 1407H,), 2: 449.

[21] ابن سلاّم، ابو عُبید القاسم، **کتاب الأموال**، بیروت: دار الفکر، ص: ۱۲۳

Ibn Sallām, Abu Ubaid al-Qasim, Kitāb al-Amwāl, (Berut: Dar al-Fikr,) 123

[22] السبکی، تقي الدين علی، **فتاوی السبکي**، دار المعارف، ۲: ۳۷۲

Al-Subkī, Taqi al-Dīn Ali, *Fatāwā al-Subkī*, Dar al-Ma'arif, 2: 372.

[23] مسلم بن الحجاج، **کتاب الھبات**، باب ترک الوصیہ، ۳: ۱۲۵۷

Muslim bin Hajjāj *Al-Qusherī*, Ibid, Kitab al-Hibāt, 3: 1257.

[24] مالک بن انس، **الموطا**، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۹۸۵، ۲: ۸۹۲

Malik bin Anas, *Al-Mu'aṭṭā*, (Berut: Dar Ihya al-Turath al-Arabi, 1985), 2: 892

[25] ابو داؤد، سلمان بن اشعث، **سنن ابی داود**، المکتبہ لعصریہ، بیروت، ۳: ۱۶۵

Abu Da'ud, Sulaiman bin Ash'as, *Sunan Abū Dā'ūd*, (Berut: al-Maktabah al-Asriyyah), 3: 165.

[26] الترمذی، محمد بن عیسی، **سنن الترمذی**، مصر: مطبعہ مصطفی البابي الحلبی، ۱۹۷۵، ۳: ۱۸

Al-Tirmazi, Muhammad bin Eesa, *Al-Jami' al-Tirmazī*, Matba' Mustafa al-Baabi al-Halbi, 1975, 3: 18.

[27] النووی، یحیی بن شرف، **المنھاج شرح صحیح مسلم**، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۹۲ھ، ۱۱: ۹۳

Al-Nawawī, Yahya bin Sharf, *Al-Minhāj Sharḥ al-Ṣaḥīḥ al-Muslim*, (Berut :Dar Ihya al-Turath al-Arabi, 1392H), 11: 93.

[28] ابن قدامہ، موفق الدین عبد اللہ بن احمد، **المغنی**، مکتبۃ القاھرۃ، ۹: ۳۵۷

Ibn Qudāmah, Abdullah bin Aḥmad, *Al-Mughnī*, (Maktabah al-Qahirah,) 9: 357.

[29] ابن عابدین، محمد امین بن عمر، **رد المحتار علی الدر المختار**، بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۲، ۴: ۲۰۹

Ibn Ābdīn, Muhammad Amin, *Radd al-Muḥtār ala al-Durr al-Mukhtār*, (Berut :Dar al-Fikr, 1992), 4: 209

[30] الکاسانی، ابو بکر بن مسعود، **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع**، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۶، ۲: ۵۷

Al-Kāsānī, Abubakr bin Mas'ud, *Badāi' al-Ṣanāi'*, (Berut :Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, 1986), 2: 57.

[31] ابن عابدین، **رد المحتار علی الدر المختار**، ۴: ۱۷۶

Ibn Ābdīn, 4: 176

[32] البخاری، محمد بن إسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب الجھاد والسیر، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ، ، ۴: ۶۹

Al-Bukhārī, Muhammad bin Ismaeel, *Al-Ṣaḥīḥ al- Bukhārī*, Kitab al-Jihad, Hal yustahfa'u ila ahl al-Zimmah, 4: 69.

[33] القرافی، شھاب الدین احمد، **الذخیرۃ**، بیروت: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۴، ۳: ۴۵۲

Al-Qarāfī, Shahab al-Deen, Al-Zakhirah, (Berut :Dar al-Gharb al-Islami,1994), 3: 452.

34 الکاسانی، **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع**، ۷: ۱۱۴

Al-Kāsānī, 7: 114

35 ابن عابدین، **ردالمحتار علی الدر المختار**، ۴: ۲۰۹

Ibn Ābdīn, 4: 209

36 ابن ہمام، ٦: ٦٠

Ibn Humām, 6: 60

37 ابن ابی شیبہ، ابو بکر، **المصنف في الأحاديث والآثار**،، ریاض: مکتبہ الرشد، ۱۴۰۹ھ، ٦: ۴٦۷

Ibn Abi Shaybah, Abubakar, *Al-Musannaf,* (Riyad :Maktabah al-Rushd, 1409H) 6: 467.

38 سخنون، عبدالسلام بن سعید التنوخی، **المدونہ**، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۴، ۳: ۴۳۵

Sukhnun, Abdussalam, *Al-Mudawwanah*, (Berut: Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, 1994), 3: 435.

39 شافعی، محمد بن ادریس، **الام**، بیروت :دار المعرفۃ، ۱۹۹۰، ۴: ۲۱۸

Al-Shāf'ī, Muhammad bin Idrīs, Al-Umm, (Berut: Dar al-Ma'rfah, 1990), 4: 218.

40 الماوردی، علی بن محمد شافعیؒ، **الحاوی الکبیر**، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۹، ۱۴: ۳۲۱

Al-Māwardī, Ali bin Muhammad, *Al-Ḥāwī li al-Kabīr*, (Berut: Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, Berut, 1999), 14: 321.

41 محولہ بالا

Ibid

42 ابن عابدین، **ردالمحتار علی الدر المختار**، ۴: ۲۰۳

Ibn Ābdīn, 4: 203

43 السبکی، **فتاوی السبكي**، ۲: ٦۰۴

Al-Subkī, 2: 604

44 ابن تیمیہ، تقی الدین، **مسألۃ فی الکنائس**، الریاض: مکتبہ العبیکان، ۱۴۲٦ھ، ص:۱۰۲

Ibn Taymiyyah, Taqi al-Din, Mas'lah fi al-Kanā'is, (Riyad: Maktabah al-Ubaikan, 1426H), 102.

45 ابن قدامہ، **المغنی**، ۹: ۳۵٦

Ibn Qudāmah, 9: 356

46 السبکی، **فتاوی السبكي**، ۲: ٦۰۴

Al-Subkī, 2: 604

47 السرخسی، محمد بن احمد، **المبسوط**، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۵: ۱۳۴

Al-Sarakhsi, Muhammad bin Aḥmad, *Al-Mabsūṭ*, Dar al-Ma'rfah, 15: 134.

48 الکاسانی ، **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع**، ۷: ۱۱۴

Al-Kāsānī, 7: 114

49 عینی، محمود بن احمد بدرالدین، **البنایۃ شرح الهدایۃ**، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۰، ۷: ۲۵۵

Ayni, Badruddin, *Al-Bināyah Sharḥ al-Hidāyah*, (Berut :Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, 2000, 7: 255

50 سرخسی، **المبسوط**، ۱۵: ۱۳۵

Al-Sarakhsī, Al-Mabsūṭ, 15: 135.

51 السبکی، **فتاوی السبكي**، ۲: ۴۰۵

Al-Subkī, 2: 504.

52 ابن عابدین، **ردالمحتار علی الدر المختار**، ۴: ۲۰۲

Ibn Ābdīn, 4: 202

[53] النووی، یحیی بن شرف، **المجموع شرح المھذب**، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۴: ۴۴۵

Al-Nawawi, Yahya bin Sharf, Al-Majmū' Sharḥ al-Muhazzab, Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, Berut, 24: 445.

[54] ابن عابدین، **ردالمحتار علی الدر المختار**، ۴: ۲۰۳

Ibn Ābdīn, 4: 203

[55] السبکی، **فتاوی السبکي**، ۲: ۴۱۱

Al-Subkī, 2: 504.

[56] ابن عابدین، **ردالمحتار علی الدر المختار**، ۴: ۲۰۳

Ibn Ābdīn, Ibid

[57] السبکی، **فتاوی السبکي**، ۲: ۴۱۱

Al-Subkī, 2: 411

[58] حوالہ بالا، ۲: ۴۱۲-۴۱۵

Ibid, 412-415.

[59] عینی، **البنایۃ شرح الھدایۃ**، ۷: ۲۵۵

Ayni, 7: 255

[60] القیروانی، عبداللہ بن عبدالرحمن، النَّوادر والزِّيادات على مَا في المدَوَّنة من غيرها من الأُمهاتِ، **بیروت**: دارالغرب الإسلامی، ۱۹۹۹، ۳: ۳۷۶

Al-Qīrwānī, Abdullaha bin Abdurrehman, *Al-Nawādir wa Al-Ziyādāt*, (Berut: Dar al-Gharb al-Islami, 1999, 3: 376.

[61] القرافی، ۳: ۴۵۸

Al-Qarāfī, 3: 458

[62] ابن تیمیہ، **مسألۃ فی الکنائس**، ص: ۱۰۲

Ibn Taymiyyah, P: 102

[63] عینی، **البنایۃ شرح الھدایۃ**، ۷: ۲۵۶

Ayni, 7: 256

[64] السبکی، **فتاوی السبکي**، ۲: ۴۱۳

Al-Subkī, 2: 413

[65] ابن قدامہ، ۹: ۳۵۵

Ibn al-Qudāmah, 9: 355.

[66] القیروانی، النَّوادر والزِّيادات، حوالہ بالا

Al-Qīrwānī, Ibid.

[67] ابن عابدین، **ردالمحتار علی الدر المختار**، ۴: ۲۰۳

Ibn Ābdīn, Ibid.

[68] عینی، **البنایۃ شرح الھدایۃ**، ۶: ۶۸۲

Ayni, 6: 682.

[69] السبکی، **فتاوی السبکي**، حوالہ بالا

Al-Subkī, Ibid.

[70] القیروانی، النَّوادر والزِّيادات، حوالہ بالا

Al-Qīrwānī, Ibid.

[71] الشیبانی، امام محمد بن الحسن، **السیر الصغیر**، بیروت: الدار المتحدۃ للنشر، ۱۹۷۵، ص: ۲۶۵

Al-Shaybāni, Muhammad bin al-Hassan, *Al-Siyar al-Ṣaghīr*, al-Dar al-Muttahidah, Berut, 1975, P: 265.

[72] المرغینانی، برہان الدین، الهداية في شرح بداية المبتدي، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲: ۴۰۴
Al-Marghināni, Burhan al-Din, *Al-Hidāyah,* (Berut :Dar Ihya al-Turath al-Arabi), 2: 404.

[73] سرخسی، **شرح السیر الکبیر**، ۴: ۲۶۱
Al-Sarakhsī, *Sharḥ Al-Siyar al-Kabīr*, 4: 261.

[74] حوالہ بالا
Ibid.

[75] حوالہ بالا
Ibid.

[76] ابن عابدین، **ردالمحتار علی الدر المختار**، ۴: ۲۰۴
Ibn Ābdīn, 4: 204

[77] حوالا بالا
Ibid.

[78] حوالا بالا
Ibid.

[79] احمد، ص: ۱۴۷
Aḥmad, P: 147.

[80] دیکھئے عمار خان ناصر، مارچ ۲۰۱۳
See Nasir, 2013.

[81] روزنامہ دنیا: ۲۹ اپریل ۲۰۱۷
Roznāmah Dunyā, April 29, 2017

[82] طیب اور ناصر، ۲۰۱۹
Tayyab, and Farooq, (2019)